44

مولوی عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کا ذکر خیر

(فرمودہ ۷ ر دسمبر ۱۹۲۳ء)

سورہ فاتحہ اور آیات **یایھا الذین امنوا استعینوا بالصبروالصلوۃ ان اللہ مع الصابرین- ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون- ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین- الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون-** (البقرۃ ۱۵۴تا۱۵۷) کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

دنیا میں جب تک انسان رہتا ہے اس وقت تک اس کو خوشی و غم سے ایک ہی دم میں پالا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے غم پہلے ہوتا ہے اور خوشی پیچھے اور کبھی خوشی پہلے ہوتی ہے اور غم پیچھے۔ کبھی یہ دونوں باتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ آدمی نہیں جانتا کہ میں خوشی کروں یا غم۔ تو ایک طرف انسان خوشی کے جذبات سے سرور حاصل کر رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف رنج کی کیفیات اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہیں اور اس کو بتا دیتی ہیں کہ تو خواہ کسی حالت میں ہو مگر پھر بھی تو انسان ہے اور رنج اور خوشی دنوں تیری لئے ہیں۔ ہاں صرف خدا ہی کی ذات ہے جو ان جذبات سے پاک اور بالا ہے۔ اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو خوشی اور رنج کے صدمات و اثرات سے پاک ہو۔ سوائے اس کے کہ جس کا انجام نیک ہو جائے اور وہ نجات پا جائے۔ ایسے شخص کے لئے خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں رنج نہیں ہوتا۔ زندوں کے لئے موت مصیبت سمجھی جاتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت خیال نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں جان ہے تو جہان ہے۔ یعنی دنیا کے ساتھ تعلق یا دنیا کے آراموں سے لطف اس وقت تک ہے جب تک زندگی ہے۔ جب جان نہیں تو خواہ ساری دنیا کوئی دے دے کچھ نہیں۔ جب تک جان ہے سب کچھ ہے اور جب مر گئے تو دنیا کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں۔ جان کی حفاظت کے لئے مال اور جائداد خرچ کی جاتی ہے اور کچھ پروا نہیں کی جاتی کہ جان کے بچانے کے لئے کیا خرچ کریں اور کیا بچائیں۔ مگر جس کا انجام اچھا ہو اور جس پر موت اس وقت آئے جبکہ وہ خدا سے راضی اور خدا اس سے راضی ہو اس کے لئے موت کی گھڑی خوشی

کی گھڑی ہوتی ہے۔ زندے اس پر روتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے لئے اس کی جدائی رنج اور غم کی بات ہے۔ مگر وہ خوش ہوتا ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو گیا اور اس کا انجام اچھا ہو گیا۔ کیونکہ وہ موت کے بعد دکھوں سے نجات پا گیا۔ اور خدا کے لطف و کرم کے دائمی سایہ کے نیچے آگیا۔ ایسے اشخاص جن کا انجام اس طرح ہو کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو وہ ابدالا باد تک راحت و چین میں رہتے ہیں۔ پس وہ موت کی گھڑی جو زندوں کے لئے مصیبت کی گھڑی ہوتی ہے ایسے مرنے والوں کے لئے نیک ساعت ہوتی ہے زندوں کو چونکہ اپنی جان سے واسطہ ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے لئے مرنے والے کی جدائی تکلیف ہے اس لئے ان کا خیال اس طرف نہیں جاتا کہ مرنے والے کے لئے موت کیسی ہے۔

بہرحال انسان کے لئے خوشی اور رنج ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کی تازہ مثال ہی دیکھو۔ ابھی اترسوں کی بات ہے کہ مفتی صاحب امریکہ سے خدمت اسلام کر کے جب واپس آئے تو ان کی اس کامیاب واپسی پر ہمارے دل خوش تھے۔ اس خوشی میں ہر ایک سمجھتا تھا کہ خدا نے ہمارے لئے اپنے فضل سے ایک خوشی کا دروازہ کھولا ہے کہ ہمارا ایک دوست جو ہم سے بہت دور تھا وہ ہم میں واپس آگیا ہے۔ یہ ایک خوشی تھی جس میں ہماری ساری جماعت نے حصہ لیا اور جوں جوں باہر خبر پہنچے گی۔ حصہ لے گی۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ بحیثیت انسان ہمارے لئے خوشیاں بھی ہیں اور رنج بھی۔ اس لئے جہاں یہ بات ہمارے لئے خوشی کا موجب تھی اور ابھی تین دن بھی اس خوشی پر نہیں گزرے تھے کہ آج میں ایک غمناک بات کے متعلق خطبہ پڑھنے لگا ہوں۔ میں جو خطبہ پڑھنا چاہتا ہوں وہ ان آیات سے ظاہر ہے کہ وہ خود اس مضمون کو ظاہر کر رہی ہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ نیک انجام انسان کے لئے خوشی کی گھڑی موت ہے۔ جو شخص نیکی اور تقوٰے اور خدمت دین کی حالت میں اس جہان سے گزرتا ہے۔ اس کی جدائی اگر شاق ہے تو زندوں کے لئے ہے اس کے لئے تو راحت اور مسرت کی گھڑی ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

انت الذی ولدتک امک باکیا"
والناس حولک یضحکون سرورا"
فاحرص علی عمل تکون اذا بکوا"
فی وقت موتک ضاحکا" مسرورا" [1]

کہ جب تو پیدا ہوا تھا تو روتا تھا۔ اور جو تیرے قرابت دار تھے وہ تیری پیدائش پر ہنستے تھے۔ جن کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے وہ تو اس کی پیدائش کی خوشی میں ہنس رہے ہوتے ہیں۔ لیکن بچہ چونکہ تنگ رستہ سے ہو کر پیدا ہوتا ہے اور اس کے جسم کی ہڈیاں ہل جاتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے اپنے رونے پر

ہنستے والوں سے تو اس طرح بدلہ لے کہ ایسے اعمال نیک بجا لا کہ جب تو فوت ہو تو اس وقت تو ہنس رہا ہو کہ خدا کے فضل کے نیچے جا رہا ہے اور وہ لوگ جو تیری پیدائش کے وقت ہنستے تھے وہ روئیں کہ ایسا نیک انسان ہم سے جدا ہو رہا ہے۔ اور ایسے عزیزوں کی جو خدمت دین کرنے والے ہوں۔ جدائی ایک تلخ گھونٹ ہے۔ مگر قرآن کریم ایسے لوگوں کو جو خدمت دین میں جان دیں۔ شہید کہتا ہے اور ان کو زندہ ٹھہراتا ہے کیونکہ حقیقی زندگی وہی ہے جو خدا کے نزدیک زندگی ہو۔ پس خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ جو میرے لئے اور میرے دین کی خدمت کرتا ہوا مرتا ہے۔ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے کیونکہ ایسے شخص کو مُردہ کہنا خدا کے کلام کی ہتک ہے کیونکہ وہ شخص جو خدمت دین کرتا ہوا مر گیا۔ اس پر خدا راضی ہو گیا۔ اور جس پر خدا راضی ہو وہ کیسے مر سکتا ہے۔ جو خدا کے کام میں مرے خدا اس کو کیسے مُردہ قرار دے سکتا ہے۔ مرنے کے معنی فنا ہونے اور مٹنے کے ہیں۔ مگر خدا کی راہ میں جو جان دے۔ وہ فنا نہیں ہو سکتا۔ اور خدا چونکہ باقی ہے اسلئے وہ بھی بقا پاتا ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ میں آج ایک دین کی خدمت میں جان دینے والے عزیز کی یاد کے لئے اور دوستوں کو اس کے لئے دعا کی تحریک کرنے کے واسطے خطبہ پڑھنے لگا ہوں۔ وہ دوست جس کو خدمت دین میں شہادت ملی ہے وہ ہمارا عزیز بچہ عبید اللہ ۲؎ ہے۔ بہت لوگ جو مادیت کی طرف توجہ رکھتے ہیں کہتے ہیں بڑی آواز کدھر سے آتی ہے۔ وہ لوگ اس آواز کو جو امریکہ اور انگلستان وغیرہ سے آئے زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایسی ہی قربانی کے ماتحت دین کی خدمت کے لئے کسی اور ملک میں گئے ہوں ان کی آواز ان کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ حالانکہ ان کی قربانیاں بھی ایسی ہی ہیں جیسے انگلستان اور امریکہ وغیرہ جانے والوں کی ہیں۔ یورپ سے آنے والی آواز کو اہم سمجھتے ہیں حالانکہ خدا کی راہ میں کام کرنے والے سب برابر ہیں خواہ وہ کہیں ہوں۔ پس جو شخص کسی معروف علاقہ اور غریبوں میں تبلیغ کرتا ہوا جان دیتا ہے۔ خدا کے نزدیک اس شخص کے برابر ہے جو امیروں میں خدمت دین کرتا ہوا جان دے۔ اور جس طرح امریکہ اور انگلستان میں خدمت دین کرنے والے معزز ہیں اسی طرح وہ بھی معزز ہیں جو ادنیٰ اقوام میں خدمت دین کرتے ہیں۔ اور میرے نزدیک دونوں بوجہ خدمت دین کے واجب التعظیم ہیں۔ گو مادیت کے اثر کی وجہ سے ماریشس کے مبلغ بعض لوگوں کی نگاہ میں نہ آتے ہوں لیکن وہ دین حق کے مبلغ ہیں۔ انہوں نے بھی اپنے رشتہ داروں اور پیاروں کو دین کی خدمت کے لئے اسی طرح چھوڑا ہے جیسا کہ امریکہ اور انگلینڈ میں جانے والوں نے چھوڑا ہے۔ انہوں نے بھی وطن سے جدائی اختیار کی ہے۔ جیسی کی امریکہ و انگلستان جانے والوں نے کی ہے۔ جس طرح امریکہ و انگلستان میں کام کرنے والے مبلغ خدا کا نام پھیلانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی وقف کی

ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہ بوجہ جرمن یا انگلستان یا امریکہ میں کام کرنے کے کسی کی قربانی بڑھ جاتی ہے اور جو دوسرے ممالک میں کام کرتے ہیں ان کی قربانی کم ہوتی ہے۔

مگر باوجود اس حقیقت کے اور باوجود برابر کی قربانی کے ماریشس کے مبلغ گمنامی کے گڑھے میں پڑے ہیں اور ان کے اچھے کام کی داد دینے والے دنیا میں کم ہیں۔ حالانکہ وہ خدا کے دین کے خادم ہیں اور ان کا خدمت دین میں جان دینا ان کو شہادت کا رتبہ دلاتا ہے۔ ہر ایک شخص ان حالات کو نہیں سمجھ سکتا جن کو میں سمجھتا ہوں کیونکہ میرے سامنے تمام جماعت کے حالات آتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر دوسرے بھی ان خطوط کو دیکھیں جو میں دیکھتا ہوں اور جن سے نتائج اخذ کرتا ہوں تو بھی وہ باتیں نہ معلوم کر سکیں جو میں سمجھ سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے قلب میں ان کے متعلق ایک خاص احساس پیدا کرتا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ وہی باتیں دوسروں کے سامنے آتی ہیں وہ ان کو اور رنگ میں لیتے ہیں۔ مگر جب مجھ تک پہنچتی ہیں تو میں ان سے اور مطلب اخذ کرتا ہوں کیونکہ مجھے تمام حالات کا علم ہوتا ہے اور ان کو سارے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے دوسرے خوش ہوتے ہیں مگر مجھے ان سے رنج ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں ایک رنج کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے جو مجھے خدا کے فضل سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک رنج کی خبر ہوتی ہے جس سے دوسرے رنج محسوس کرتے ہیں۔ مگر میں خوش ہوتا ہوں کیونکہ اس کے ساتھ ایک خوشی کی اہم بات بھی لگی ہوتی ہے۔ جسے دوسرے نہیں دیکھتے۔ پس میں اپنے علم و یقین کی بنا پر کہتا ہوں کہ ہمارے ماریشس کے مبلغوں نے نہایت اخلاص کے ساتھ خدمت دین کی اور وہ ہمارے اعلیٰ مجاہدوں میں شامل ہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ خدا کے لئے کیا ہے۔

عزیز عبید اللہ کی موت معمولی موت نہیں اور طبعی طور پر ہمارے لئے صدمہ اور رنج کا باعث ہے۔ ماریشس میں اس کے رشتہ دار نہ تھے۔ وہ وہاں اپنے رشتہ داروں کے لئے نہ گیا تھا۔ نہ وہ بڑی تنخواہ کے لئے گیا تھا۔ وہاں اس کو جو تنخواہ ملتی تھی یہاں کے لحاظ سے بھی زیادہ نہ تھی۔ حالانکہ یہاں جتنے میں آٹا دس سیر فروخت ہوتا ہے وہاں ۲ سیر بکتا ہے۔ مگر وہ اپنی اس تنخواہ میں گزارہ کرتا رہا۔ پھر وہ عمر رسیدہ نہ تھا کہ ابتدائی عمر میں دنیا کی خوشیاں دیکھ چکا تھا۔ اور آخری عمر میں دین کی خدمت کے لئے نکلا تھا۔ وہ سترہ اٹھارہ برس کا نوجوان تھا جب اس نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کی۔ دنیا کی خوشیوں میں سے ایک بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں رہے۔ مگر اس عزیز نے شروع سے یہ حاصل نہ کی۔ اس کی ابتدائی عمر والدین سے جدائی میں طالب علمی کے رنگ میں قادیان میں گزری۔ اور جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو ہندوستان سے باہر چلا گیا۔ باپ کے پاس رہنے کا اس عزیز کو بہت کم موقع ملا۔ کیونکہ اس کی جس قدر عمر تھی یا

قادیان میں تعلیم کے لئے یا ہندوستان سے باہر تبلیغ دین میں بسر ہوئی۔ گویا کہ اس کو یتیم کی موت ملی۔ وہ دنیا میں اکیلا آیا۔ اور اکیلا چلا گیا۔ ایسے وقت اور ایسی صورت میں جو احساسات غم ہو سکتے ہیں ان کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ اس کے اور حالات جانے دو۔ اس کی یہ موت ہی بہت بڑی قربانی اور اس کے ساتھ نہایت درجہ غم کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔

لیکن میں نے اور خوبیوں کے علاوہ اس میں ایک خاص خوبی پائی تھی اور اس خوبی کو اس کی موت نے اور زیادہ نمایاں کر دیا ہے۔ وہ یہ تھی کہ اس نے دین کے لئے زندگی وقف کرنے کا جو عہد کیا تھا۔ اس کو نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ نباہا۔ اور آخیر وقت تک کسی قسم کی شکایت یا تکلیف کے اظہار کا ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہ نکلا۔ حالانکہ کئی بڑے بڑے آدمی مشکلات میں گھبرا جاتے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں مالی مشکلات پیش آتی ہیں۔ کبھی ان کو رشتہ دار یاد آتے ہیں۔ کبھی وطن کا خیال آتا ہے۔ لیکن اس لمبے عرصہ میں اس عزیز نے کبھی اپنے کسی خط میں کسی امر کی شکایت اشارۃً" یا کنایتہ" نہیں لکھی۔ اور میں نے کبھی اس کے خط سے محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کو کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے یا اس کو اپنے عزیز و اقارب یاد آتے ہیں۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم نے اپنے عہد وقف کو کس درجہ تک نباہا کہ اس کے تازہ خطوط سے معلوم ہوا ہے (ماریشس سے خطوط بہت دیر کے بعد آتے ہیں) کہ مرحوم کو سل کی مرض ہو گئی تھی اور یہ ایسی مرض ہے کہ جب ڈاکٹر اس کا نام بتا دے تو بڑے بڑے آدمی گھبرا جاتے ہیں۔ مگر اس کی حالت عجیب تھی۔ آخری خط میں اس نے لکھا کہ ڈاکٹر کہتے ہیں مجھے سل ہو گئی ہے لیکن میرا خیال ہے ان کی بات غلط ہے۔ اور اگر ہو تو بھی خیر۔ میں نے بہرحال خدا کے دین کا کام کرنا ہے۔ اور وہ میں کر رہا ہوں۔ خیال کرو۔ جب کہ بڑے بڑے لوگ ڈاکٹروں کے فتویٰ کو بہت اہم قرار دیتے ہیں اور سل کا نام سن کر گھبرا جاتے ہیں۔ یہ عزیز کس اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کے کام میں مصروف رکھتا ہے اور دلیری سے اس بات کی تردید کرتا ہے۔ گویا کہ وہ اپنی اس نازک حالت میں بھی اپنے کام اور عہد سے غافل نہیں تھا۔

اسی کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ اب کچھ آرام ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اس بیماری والے کے لئے بولنا سخت منع ہے۔ اس لئے درس اور لیکچر دینے کی وجہ سے اچانک موت واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ کل ۶ ر دسمبر تار آیا تھا کہ وہ بیمار ہیں۔ اور آج تار آیا ہے کہ فوت ہو گئے ہیں۔ ان کی موت اس مجاہد کی موت کی طرح ہے جو دشمنوں کی فوج کو مسلمانوں کو پامال کرتا دیکھ کر تلوار ہاتھ میں لے اور کفار کی فوج پر حملہ آور ہو جائے اور لڑتے لڑتے میدان جنگ میں ہی جان دے دے۔ وہ وطن سے دور عزیزوں سے دور اور ایسی بیماری میں جس میں اپنے گھر کی چھت کے نیچے عزیزوں کی

خدمت کی ضرورت ہوتی ہے وہ جان دیتا ہے۔ اور اس طرح خدمت دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کے اقرار کو آخری سانس تک پورا کر دیا۔ اور دکھا دیا کہ خدا کی راہ میں میرے لئے کوئی تکلیف نہیں۔ پس وہ ہمارے شکریہ اور حمد کا مستحق ہے۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی تعریف کریں۔ اور دراصل جس کی حمد و تعریف خدا کرتا ہے۔ اس کی حمد اور کون کر سکتا ہے۔ میں خدا کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اس کو خدا کی حمد حاصل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کے متعلق قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ **من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدلوا** (الاحزاب۲۴) مسلمانوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس عہد کو جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا کہ ہم نے اپنی زندگی خدا کے لئے وقف کر دی۔ آخری گھڑی تک پورا کر دیا۔ اور کچھ ایسے ہیں جو اس عہد پر قائم ہیں کہ آخری دم تک پورا کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں مولوی عبیداللہ اپنے عمل سے آیت کا مصداق ثابت ہوا ہے۔ صحابہ کرام میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں لیکن ہماری جماعت میں ابھی اس کی زیادہ مثالیں نہیں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بدر کی جنگ ہو چکی تو ایک صحابی جو اس جنگ میں کسی وجہ سے شامل نہیں ہو سکے تھے کہنے لگے اگر میں ہوتا تو یوں لڑتا۔ پھر جب احد کا موقع آیا اور مسلمانوں کے قدم اپنی غلطی سے اکھڑ گئے حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت ایسا آیا کہ آپ اکیلے رہ گئے۔ چنانچہ ایک صحابی نے اس حالت میں آپ کو دیکھا مگر اس نے آپ کو نہ پہچانا۔ آپ بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ آپ کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ آپ کے ساتھ صحابہ میں سے کوئی نہ تھا اور کفار کا زور ادھر ہی تھا جس طرف آپ تھے۔ وہ ایسا وقت تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور ہو گیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ وہی صحابی جنہوں نے جنگ بدر کے بعد کہا تھا کہ اگر میں ہوتا تو اس طرح لڑتا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ سر جھکائے ہوئے سوچ رہے ہیں کہ اب کیا کریں۔ یہ شدت غم کی وجہ سے تھا۔ اس صحابی نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کیا بات ہے انہوں نے کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ ان صحابی نے کہا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو پھر ہم نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ چلو ہم بھی ادھر ہی چلیں جدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گئے ہیں۔ یہ کہا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کفار کے لشکر میں گھس گئے اور شہید ہو گئے۔ جب ان کی لاش دیکھی گئی تو ان کے جسم پر ستر زخم تھے۔ اور ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔۳؎ ایک اور صحابی کے متعلق آتا ہے کہ لڑائی میں ان کی ٹانگیں کٹ گئی تھیں وہ شدت درد سے تڑپ رہے تھے۔ کہ ایک صحابی ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کیا حال ہے انہوں نے کہا پہلے یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے انہوں نے جواب دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم محفوظ ہیں۔ صحابی نے کہا میری طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا کہ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ آپ محفوظ ہیں تو اس نے آرام سے جان دی۔ اور میری قوم سے کہنا کہ مرتے دم تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں۔ وہ ان میں خدا کی امانت ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انکو نقصان پہنچے۔ؔ تو صحابہ میں ایسے ایسے نمونے تھے یہی وجہ ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کی عزت اپنے آباء واجداد سے بھی بہت زیادہ ہے۔ آباء واجداد میں نے زبان کے محاورہ کے طور پر کہا ہے ورنہ خدا کی قدرت نے مجھے ایک ایسے انسان کی نسل سے پیدا کیا ہے جو اپنے عملوں اور قربانیوں کے باعث پچھلے لوگوں سے فائق ہو گیا اور درمیانی رشتہ توڑ کر اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست جا ملا۔ اس کو چھوڑ کر دادا اور اس سے اوپر کی تمام نسلوں کی تعریف میں اگر کتنے ہی بڑے بڑے قصائد پڑھے جائیں تو بھی ہمارے خوشی ظاہر کرنے والے اعصاب میں جنبش نہیں پیدا ہو سکتی۔ لیکن اگر ان صحابہ کی تعریف کی جائے جو ہماری قوم اور ملک کے نہیں تھے مگر جو دین کی خدمات کے باعث ہمیں اپنے پیاروں سے زیادہ پیارے ہیں تو جسم میں خوشی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔

ہماری ہندوستان کی جماعت میں تاحال اس قسم کے نمونے بہت کم ہیں جو صحابہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور پھر ایسے بہت کم ہیں جو خدمات دین کے اقرار کو نباہنا جانتے ہوں۔ بہت ہیں جو قربانی کرنا نہیں جانتے یا نہیں کرتے یا نہیں نباہتے۔ مگر مولوی عبیداللہ ہمارے ملک میں سے تھا جس نے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ دین کے لئے زندگی وقف کرنا اور پھر اس عہد کو نباہنا دونوں باتوں کو جانتا تھا۔ ہماری جماعت میں پہلے شہید حضرت سید عبداللطیف تھے۔ یا دوسرے کہ ان سے پہلے ان کے ایک شاگرد شہید ہوئے تھے۔ مگر وہ ہندوستان کے نہ تھے۔ بلکہ ہندوستان کے باہر کے تھے۔ ہندوستان میں سے شہادت کا پہلا موقع عبیداللہ کو ملا۔ ہمیں اس کی موت پر فخر ہے گو اس کے ساتھ صدمہ بھی ہے کہ ہم میں سے ایک نیک اور پاک روح جو خدا کے دین کی خدمت میں شب و روز مصروف تھی جدا ہو گئی۔ میں ان کے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں اور ان کے پس ماندگان کے لئے بھی۔ اللہ تعالیٰ مرنے والے کو اپنے قرب کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر بخشے۔

میں جمعہ کی نماز کے بعد ان کا جنازہ پڑھوں گا اور میں باہر کی جماعتوں سے امید کرتا ہوں کہ جہاں جہاں اطلاع پہنچے پہلے جمعہ میں مولوی عبیداللہ مرحوم کا جنازہ پڑھیں۔ اور خطبہ میں میرا یہ خطبہ پڑھ کر سنائیں۔ اگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی خطبہ میں کہنا ہو تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ خطبہ ضرور پڑھیں۔ ہم مرنے والے کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ وہ شخص جس نے اس کام کو کرتے ہوئے جان دی جس کا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم اس کی یہ چھوٹی سے چھوٹی خدمت بھی نہ کریں تو اس سے

بڑھ کر کیا بخل ہو سکتا ہے اور ایسی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنے شہیدوں کو اعلیٰ اور عزت کا مقام نہیں دیتی۔ پس احباب خلوص اور اخلاص کے ساتھ نماز میں مرحوم کے لئے دعا کریں۔ ہمارے اس عزیز نے اس قربانی سے ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستانی بھی دین کے لئے قربانی کر سکتے ہیں۔ ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ مرحوم سے سبق لیں اور آگے قدم بڑھائیں اور اس مقام پر کھڑے ہوں جو خدا کے قرب کا مقام ہے اور دین کی خدمت کے میدان میں ان کا قدم آگے ہی بڑھے۔ پیچھے نہ ہٹے۔

(الفضل ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۳ء)

❁ ❁ ❁

۱۔ محانی الادب حصہ دوم بحوالہ دردس الادب ص ۹۰

۲۔ مولوی عبید اللہ صاحب ؓ بن حافظ غلام رسول صاحب

۳۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ احد۔

۴۔ موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الشہداء فی سبیل اللہ۔